فریضہ اقامت دین: قدیم وجدید مفکرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

Fariza Iqamat Deen : Analytical Study of Views of Classical and Modern Thinkers

Dr. Hafiza Sumera Rabia
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Sialkot, Sialkot:
sumrab2707@gmail.com

Dr Amir Hayat
Assistant Professor, Instititute of Arabic and Islamic, Studies, GC women University,Sialkot:
amirhayat5817@gcwus.edu.pk

Dr. Muti ur Rehman
Assistant Professor, Govt. Islamia Graduate College, Gujranwala:
mutimashhadi@gmail.com

Abstract

For the past few centuries, Muslims have been engaged in efforts to revive and implement the Islamic system around the world. These revival and constructive efforts can be divided into several dimensions. One form of these revival efforts is to strive for the establishment of Islamic government, the implementation of the Islamic system, and the establishment of Islamic religion throughout the world. Muslim Thinker had expressed their views on the role of muslim for the establishmen of Islamic system and the ways through which they can achieve their goal. This paper analyses the thoughts of classical and modern Muslim political thinkers about Farizah Aqamat e Deen. It means both to establish and keep the established. For them the main purpose of Prophets is to perform Farizah Aqamat e Deen. Its obligatory for Muslims to make efforts for the establishment of Islamic system in the whole world.

Keywords: Farizah Iqamat e deen, Islamic system, Obligatory, Muslim thinkers, Modern, Classical

دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے، ان کی اصلاح اور استحکام کی ضمانت بنتا ہے۔ اسلام انسان سے کامل اطاعت اور پیروی کا طلبگار ہے۔ خانگی زندگی ہو یا معاشرتی، معاشی معاملات ہوں یا ریاستی یہ ان تمام پہلوؤں

کے بارے میں نہ صرف جامع ہدایات دیتا ہے بلکہ ان اصولوں کی عملی تنفیذ بھی چاہتا ہے۔ گزشتہ چند صدیوں سے مسلمان دنیا بھر میں زوال کا شکار اور استعماری طاقتوں کے رحم و کرم پر ہیں تو اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں اپنے احیاء اور اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششوں میں مصروف رہے ہیں۔ ان احیائی و تعمیری کوششوں کو کئی جہتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان احیائی کوششوں کی ایک شکل دنیا بھر میں حکومت الٰہیہ کے قیام، اسلامی نظام کا نفاذ اور اقامت دین کے لیے اٹھ کھڑی ہونے والی تحریکوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔ مسلم معاشروں میں ایک طبقہ فکر پیدا ہوا جس کی طرف سے اسے امت مسلمہ کے لیے فرض عین قرار دیا گیا ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلامی نظام کا قیام عمل میں لائیں اور یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کا احیاء و ترقی بھی اسی سے منسوب ہے۔ قدیم و جدید مفکرین کے ہاں ہمیں فریضہ اقامت دین کے حوالے سے نقطہ ہائے نظر ملتے ہیں جن کا مطالعہ ہی اس مقالہ کا مقصد ہے۔ ان مفکرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا وحید الدین کا نام شامل ہے۔ مقالہ ہذا میں ان تمام مفکرین کی فریضہ اقامت دین کے حوالے سے موجود آراء کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا۔

قبل اس کے کہ ہم اس (فریضۂ اقامت دین) کی وضاحت کی طرف جائیں ضروری ہے کہ اقامت دین کی اصطلاح کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔

اقامت دین کا مفہوم:

جہاں تک لفظ اقامت کا معنی ہے تو اس کا مادہ ہے: ق۔ و۔ م اسی سے لفظ قام، یقوم اور اقامہ نکلا ہے۔ اقامہ کا معنی "ظاہر کرنا اور عمل کرنا ہے۔

"اقام الشرع اظہرہ وعمل بہ"۔[1]

شریعت قائم کرنا سے مراد اسے ظاہر کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

اقامہ کا دوسرا معنی کسی چیز کا ٹیڑھا پن دور کرنا اور کسی چیز پر مداومت کرنا۔

---

[1] ابراہیم مصطفیٰ، احمد حسن الزیات، حامد عبد القادر، محمد علی البخاری، المعجم الوسیط، دار الدعوۃ، استنبول، ترکی 1989ء، مادہ ق-د-م
Ibrāhīm Mūstafā, Ahmād Hāsān Al-Zīyādat, Hamid Abdūl Qādīr, Mūhammad Alī Būkharī, Al-Mujīm ul Wāsīt, Dār ul Dāwāh, Istānbol, Tūrkēy, 1989

"اقام دراہ ای ازال عوجه"۔[2]

یعنی ٹیڑھا پن سیدھا کیا۔

"اقام الشی ای ادامه اقام الشی"[3]

اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی چیز پر، کسی عمل پر مداومت کرے۔

اقام کا یہی معنی لسان العرب میں بھی موجود ہے:

"اقام الشی ای ادامه"[4]

یعنی اقام الشی اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی چیز پر ہمیشگی کرے۔

نیز قیام کے معنی محافظہ اور اصلاح کے بھی آتے ہیں جیسے کہ لسان العرب میں ہے:

"القیام المحافظة والا صلاح"[5]

قیام بمعنی محافظہ ہے اور اصلاح کرنا۔

لہٰذا اقامہ کا معنی ہے ظاہر کرنا، عمل کرنا، ٹیڑھا پن دور کرنا، ہمیشگی کرنا، کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اصلاح کرنا، ٹھہرانا، اعتدال پر ہونا رائج ہونا، ظاہر کرنا، کامل طریقے سے ادا کرنا۔

دین کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

جہاں تک لفظ دین کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے تو یہ عادت، عبادت اور اطاعت ہے۔ جیسا کہ:

---

[2] فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب (م817ھ)، القاموس المحیط، دار احیأ التراث العربی، بیروت، لبنان، 2003ء، مادہ: ق-د-م، ج:1، ص:319

Fēroz Abādi, Mūjaddadīn Muhammad bin Yaqoob, Al-Qāmoos ūl Mūhīt, Dārūl Ahyāul Tūrās ūl Arbī, Berūt, Lūbnān, 2003, Vol:1, Pg: 319

[3] ایضا

Ibīd

[4] ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم (م711ھ)، لسان العرب، المکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 2005ء، ج:11 مادہ: ق دم

Ibn ē Mānzoor, Jāmāl ud Dīn, Muhāmmad bīn Mūkarrām, Līsān ūl Arāb, Al-Māktābā Dārūl Kūtūb ul īlmiyā, Berūt, Lūbnān, 2005, Vol: 11

[5] ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم (م711ھ)، لسان العرب، ج:۱۱، مادہ: ق۔و۔م

Ibn ē Mānzoor, Jāmāl ud Dīn, Muhāmmad bīn Mūkarrām, Līsān ūl Arāb, Vol:11

الدین العادۃ ، الاسلام ،العبادۃ، الطاعۃ[6]

دین اسلام،عادت،عبادت اور اطاعت ہے۔

اس کا ایک معنی باطل عادت بھی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

" ومن یبتغ غیر الاسلام دینا"[7]

اور جو کوئی دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ڈھونڈے۔ دین بمعنی باطل عادت۔

اسی طرح دین کا مفہوم حال،غلبہ،پرہیز گاری بھی ہے۔

الدین الحال،السلطان،الورع ،الطاعۃ،العبادۃ،[8]

دین حال،غلبہ۔پرہیز گاری،اطاعت،اور عبادت کے معنی میں ہے۔

دستور العلماء میں دین کے مندرجہ ذیل معانی بیان ہوئے ہیں:

الدین : الاسلام،العادۃ،الجزاء،المکافات، القضاء،الطاعۃ۔[9]

دین سے مراد اسلام،عادت،جزاء عمل،بدلا دینا،فیصلہ کرنا اور اطاعت کرنا ہیں۔

لہذا دین کا لغوی معنی ہے:

" اسلام،عادۃ،عبادت،اطاعت ، غلبہ ،پرہیز گاری،جزاء عمل،بدلا دینا،فیصلہ کرنا کی ملکیت،قدرت، حکم عادت،سیرت،مذہب۔"

جہاں تک دین کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو:

---

[6] فیروز آبادی،مجد الدین محمد بن یعقوب(م817ھ)،القاموس المحیط،ج:1،ص:315

Fēroz Abādi, Mūjaddadīn Muhammad bin Yaqoob, Al-Qāmoos ūl Mūhīt, V:1, Pg: 315

[7] آل عمران 3: 85،ابوالبقاء،ایوب بن موسیٰ (س۔ن)،کلیات ابو البقاء،دارالاشاعۃ العربیہ،کوئٹہ ،پاکستان،1425ھ،مادہ: د-ی-ن،ج:2،ص:108

Al-īmrān, 3:35, Abū-Al-Bāqā, Ayūb bīn Mūsā, Kūlyāt Abū- Al- Bāqā, Dārūl Ashayā tūl Arābīyā, Queta, Pakistan, 1425H, Vol:2, Pg, 108

[8] ابن منظور،جمال الدین محمد بن مکرم(م711ھ)،لسان العرب،مادہ:د۔ی۔ن،ج:11

Ibn ē Mānzoor, Jāmāl ud Dīn, Muhāmmad bīn Mūkarrām, Līsān ūl Arāb, Vol:11

[9] عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری، قاضی(س۔ن)،دستور العلماء،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،2005ء،ج:2،مادہ:د-ی-ن

Abdūl Nābī Bīn Rāsool Ahmād Nāgrī, Qāzī, Dastor ūl ūlāmā, Dār ūl Kūtūb ul Ilmīyā, , Berūt, Lūbnān, 2005, Vol: 2

"اس سے مراد وہ امور دین و دنیا ہیں جن کو رب تعالیٰ نے انسانوں کی نجات اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر مقرر کیا ہو۔"

ابو البقاء اپنی کلیات میں دین کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وضع الهی سائق لذوی العقول باختیار هم المحمود الی الخیر بالذات۔سواء کان قلبیا او قالبیا کا لاعتقاد والعلم والصلاۃ۔[10]

دین رب کی طرف سے عقلمندوں کے لیے وہ مقرر کردہ امور ہیں جنکو اختیار کر کے وہ خیر بالذات (رضاء الٰہی) حاصل کر سکتے ہیں۔ دین اعتقادی اور عملی دونوں شعبوں کو شامل ہے۔ یعنی اعتقادی قوانین اور عملی دستاویز سب دین میں شامل ہیں۔

اسی طرح دستور العلماء میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

قانون سماوی سائق لذوی العقول الی الخیر بالذات۔[11]

دین وہ آسمانی قانون ہے جو عقلمندوں کو خیر بالذات (رضاء الٰہی) کی طرف لے جائے۔

جب اقامت اور دین دونوں کے مفاہیم کو یکجا کیا جائے تو "اقامت دین" کا معنی ہوا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے جو عقلمندوں کے لیے ہدایات اتری ہیں جن میں اعتقادی قوانین اور عملی دستاویزات دونوں شامل ہیں اور جن کا مقصد رضاء الٰہی کا حصول ہے ان کی پیروی کرنا، ان کو لاگو کرنا، ان میں اگر کوئی اعتقادی یا عملی بدعات پیدا ہو جائیں تو ان کے انحراف کی اصلاح کرتے ہوئے، ان کے درست معنی و مفہوم کا اظہار کرنا اور ان پر ہمیشگی عمل کرتے ہوئے دوسروں کو نہ صرف اس کی دعوت دے کر اس پر عمل کروانے کی کوشش وجدوجہد کرنا بلکہ ان (ہدایات) کا دفاع و حفاظت کرنا۔

اقامت دین کا مفہوم مفسرین کی نظر میں:

اقامت دین کا لفظ قرآن پاک میں سورۃ الشوری کی آیت نمبر 13 میں ذکر ہوا ہے:

---

[10]: ابو البقاء، ایوب بن موسی (س۔ن)، کلیات ابو البقاء، مادہ: د۔ی۔ن، ج:2، ص:110

Abū-Al-Bāqā, Ayūb bīn Mūsā, Kūlyāt Abū- Al- Bāqā, Vol:2, Pg: 110

[11]: قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری، دستور العلماء، ج2، مادہ: د۔ی۔ن

Abdūl Nābī Bīn Rāsool Ahmād Nāgrī, Qāzī, Dastor ūl ūlāmā, Vol: 2

"شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَي الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ"[12]

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا، اور جسے (اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے، اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

لہٰذا اس کے مفہوم سے آگاہی کے لیے یہ ضروری ہے کہ "اقامت دین" کا مفہوم اہم اور نمایاں مفسرین قرآن کی نظر میں کیا ہے یہ جانا جائے اور ان کی آراء سے استفادہ کیا جائے۔

امام اللغہ امام زمخشری کے نزدیک اقامت دین سے مراد دین اسلام کو اپنی زندگی میں ثابت رکھنا ہے۔ وہ اپنی تفسیر الکشاف میں اس کا مفہوم کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

اقامة دين الاسلام الذى هو توحيد الله و طاعته والايمان برسله و كتبه و بيوم الجزاء و سائر ما يكون الرجل با قامته مسلما۔[13]

اور اس سے مراد ہے اس دین اسلام کو اپنی زندگی میں ثابت ٹھیرانا جو اللہ کی توحید، اس کی اطاعت، اس کے رسولوں، کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان اور ان کے علاوہ ان سب چیزوں سے عبارت ہے جن کو ثابت ٹھہرانے سے ہی کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی کے نزدیک اقامت دین سے مراد دین کے ارا کین پر عمل کرنا اور اس کو تبدیلی سے بچانا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی تفسیر روح المعانی میں "اقیموا الدین " کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[12] الشوری 42: 13

Al-Shūrā, 13: 42

[13] زمخشری، جاداللہ محمود بن عمر (م528ھ)، الکشاف، القدس، قم، 1413ھ، ج:4، ص:215

Zāmāhsharī, Jādūllāh, Māhmood bīn, Umēr, Al-Kāshāf, Al-Qūdos, Qūm, 1413H, Vol:4, Pg:215

ای دین الاسلام الذی هو توحید الله وطاعة الایمان بکتبه و رسله و یوم الجزاء،وسائر ما یکون العبد به مومنا ،المرادباقامته تعدیل ارکانه،وحفظه من ان یقع فیه زیغ والمواظبة علیه۔[14]

یہاں دین سے مراد دین اسلام ہے جو کہ عبارت ہے اللہ تعالی کی توحید و اطاعت، اس کی کتابوں اور رسولوں اور یوم الجزاء پر ایمان کرنے اور تمام عقائد و اعمال سے جو ایمان کے لئے ضروری ہیں جن سے بندہ مومن ہو تا ہے اور دین کی اقامت سے مراد اس کے ارکان کی تعدیل اور ہر طرح کی کجی اور گمراہی سے اس کو بچانا اور دین پر مداومت کرنا ہے۔

ابن عربی اقامت دین سے مراد اس کو ہمیشہ کے لیے محفوظ اور برقرار رکھنا لیتے ہیں۔ آپ تفسیر القرآن العظیم میں لکھتے ہیں:

ای اجعلوه قائما،یرید دائما مستمرا محفوظا مستقرا من غیر خلاف فیه ولا اضطراب علیه۔[15]

یعنی اسے ہمیشہ قائم رکھو اور قائم سے مراد ہے: دائم، ہمیشہ، محفوظ اور برقرار، اس طرح کہ نہ اس میں کوئی اختلاف ہو اور نہ اس کے بارے میں کوئی تردد۔

اسی طرح سید قطب شاہ اقامت دین سے مراد اس نظام زندگی اور شریعت کو قائم رکھنا لیتے ہیں جو اللہ تعالی نے عمومی طور پر پیغمبران دین کو عطا کیا ہے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں" اقیمواالدین "کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دین کو قائم کرو۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں کے لیے جو نظام زندگی اور جو شریعت وضع کی ہے، وہ عمومی اصولوں میں وہی ہے جو حضرت نوحؑ، حضرت ابراھیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی تھی۔ سب کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے واحد دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، اور تمھارا فرض ہے کہ اللہ کے اس قدیم نظام زندگی پر جم جاؤ اور جو لوگ اس سے ادھر ادھر دیکھتے ہیں، محض خواہشات نفسانیہ پوری کرنے کے لیے تو ان کی طرف کوئی توجہ نہ کرو اس

---

[14] آلوسی۔ ابو الفضل شہاب الدین محمود، مولانا(م 127ھ)، روح المعانی، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ت۔ن، ج:3، ص:21

Aloosī, Abu Al-Fāzāl Shāhābūdīn, Māhmood, Moūlānā, Rooh ūl Māānī, Māktābā, Imdādīā, Mūltān, Vol:3, Pg:21

[15] ابن عربی ،ابوبکر محی الدین محمد بن علی (م 638ھ)،تفسیر القرآن العظیم،دارللکتب العلمیه،بیروت ،لبنان، 2011ء،ج:2،ص: 217

Ibn ē Arābī, Abū Bākār Mūhayūdīn Mūhāmmād bīn Alī, Tāfsīr ūl Qūrān ul Azēēm, Dārūl Kūtūbūl Ilmīyā, Bērūt, Lābnān, 2011, Vol:2, Pg: 217

دین کو غالب کرو اور جو لوگ اس دین کے خلاف حجت بازیاں کرتے ہیں ان کی حجت کو رد کر کے باطل کر دو اور ان کو اللہ کے غضب اور شدید عذاب سے ڈراؤ۔[16]

مولانا مودودی کے نزدیک اقامت دین کے معنی دین کا قائم رکھنا بھی ہے اور اسے قائم کرنا بھی یعنی جہاں یہ قائم ہے وہاں اسے قائم رکھا جائے اور جہاں یہ قائم نہیں وہاں اس کے قیام کی کوشش کی جائے۔ آپ قائم سے مراد دین کے احکامات پر عمل کرنا، اسے رواج دینا اور نافذ کرنا لیتے ہیں۔ آپ کا یہ ماننا ہے کہ جب انبیاء کرام کو اقامت دین کا حکم دیا گیا تھا تو اس سے مراد صرف خود دین پہ عمل کر کے دوسروں کو اس کی تبلیغ کرنا نہیں ہے بلکہ عملی طور پر اس کے نفاذ کی کوشش کرنا ہے۔ آپ اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں اقامت دین کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقامت کے معنی قائم کرنے کے بھی ہیں اور قائم رکھنے کے بھی۔ قائم کرنے کا لفظ جب کسی مادی یا جسمانی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بیٹھے کو اٹھانا ہوتا ہے، مثلاً کسی انسان یا جانور کو اٹھانا۔ یا پڑی ہوئی چیز کو کھڑا کرنا ہوتا ہے، جیسے بانس یا ستون کو قائم کرنا۔ یا کسی چیز کے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کر کے بلند کرنا ہوتا ہے، جیسے کسی خالی زمین میں عمارت قائم کرنا لیکن جو چیزیں مادی نہیں بلکہ معنوی ہوتی ہیں ان کے لیے جب قائم کرنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اس چیز کی محض تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اس پر کما حقہ، عمل در آمد کرنا، اسے رواج دینا اور اسے عملاً نافذ کرنا ہوتا ہے۔۔ انبیاء علیہم السلام کو جب اس دین کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس سے مراد صرف اتنی بات نہ تھی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں، اور اتنی بات بھی نہ تھی کہ وہ دوسروں میں اس کی تبلیغ کریں تا کہ لوگ اس کا برحق ہونا تسلیم کر لیں بلکہ اس سے آگے قدم بڑھا کر پورے کا پورا دین ان میں عملاً رائج اور نافذ کیا جائے تا کہ اس کے مطابق عمل در آمد ہونے لگے اور ہوتا رہے۔[17]

---

[16]: قطب شہید، سید (م1966ء)، فی ظلال القرآن، مترجم سید معروف شاہ شیرازی، منشورات اسلامی، لاہور، 1997ء ج:5، ص: 904

Qūtāb Shāhēēd, Sāyēd, Fī Zīlālūl Qūrān, Trns. Syēd Māroof Shāh Shērāzī, Mānshorāt ē īslāmi, Lāhore, 1997, Vol:5, Pg: 904

[17]: مودودی، سید ابو الاعلی، مولانا (م1979ء) تفہیم القرآن، مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور، 1981ء ج:3، ص:341

Moūdūdī, Syēd Abū Alā, Moūlānā, Tāfhēm ūl Qūrān, Māktābā TārJūmānūl Qūrān, Lāhore, Vol:3, Pg: 341

الغرض جب ہم ان تفاسیر میں "اقامت دین" کے مفہوم پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اقامت دین سے مراد دین اسلام کو اپنی زندگیوں میں ثابت ٹھہرانا، اس کے ارکان کی تعدیل اور ہر طرح کی کجی اور گمراہی سے اس کو بچانا اور دین پر مداومت کرنا ہے اور دین کو بحیثیت مجموعی قائم رکھنا اور قائم کرنا ہے۔ اللہ کے دیئے ہوئے نظام زندگی پر جم جانا۔ اس کو ہر قسم کے انحراف اور تفرقات سے بچاتے ہوئے اس کی حقیقی تعلیمات کو برقرار رکھنا ہے اور جہاں جہاں ان کی فرضیت ثابت ہے ان کو نافذ کرنا اور کروانے کی کوشش کرنا ہے۔ نہ صرف انفرادی بلکہ معاشرے کی اعلیٰ ترین سطح پر بھی بحیثیت نظام اس کی تنفیذ و تعمیل کو یقینی بنانا اور اس سلسلے میں کسی کوتاہی و کمی کا شکار نہ ہونا۔

فریضہ اقامت دین:

اگر ہم مفکرین کرام کی آراء کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ ان میں سے تقریباً تمام کے نزدیک اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے۔ ان کے نزدیک دین کو قائم کرنا اور قائم رکھنا دیگر فرائض دینی کی ہی طرح کا ایک فریضہ ہے۔ بلکہ بعض کے نزدیک تو اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ جب تک اس فریضہ کو ادا نہ کیا جائے دین کے دیگر احکامات پر عمل ممکن نہیں گویا دین کے دیگر فرائض کی ادائیگی بھی اس سے منسلک ہے۔

لہٰذا عالم اسلام کے قرون اولیٰ کے مفکرین ہوں یا عصر حاضر کے ان سب کے نزدیک اقامت دین کے لیے کوشش کرنا فرض ہے۔ ان سب کے ہاں اس کے فرض ہونے یا نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ فرق اگر کہیں ہے تو صرف اس درجہ میں کہ ان کے نزدیک دین سے مراد کیا ہے؟ کیا وہ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر 13 میں مذکور "اقامت دین" کی اصطلاح میں دین سے مراد صرف اس کی وہ بنیادی تعلیمات لیتے ہیں جن کا تمام انبیاء کرامؑ پر مشترکہ نزول ہوا یا پھر اس سے مراد دین کے تمام انفرادی و اجتماعی احکامات کا بحیثیت مجموعی زندگی کے تمام شعبوں اور سطحوں پر قیام و نفاذ ہے۔

اقامت دین اور قدیم مفکرین کی آراء:

اگرچہ "اقامت دین" کا یہ تصور بطور اصطلاح گزشتہ صدی میں زیادہ فروغ پایا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اپنی ذات میں ایک نئی چیز ہے اور ہمارے اسلاف اس سے ناآشنا تھے۔

جب ہم تاریخ کے اوراق کو کھنگالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "فریضہ اقامت دین" کا تصور زمانہ قدیم سے اسلامی مفکرین و علماء کے ہاں پایا جاتا ہے یہ کوئی اجنبی اصطلاح یا اختراع نہیں۔ وہ سب اس کی فرضیت کے قائل تھے۔ ان میں سے چند ایک کا تصور "اقامت دین" یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

ابن تیمیہ جو مسلم مفکرین میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کے نزدیک اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے۔ اقامت دین اور قیام حکومت کو وہ لازم وملزوم قرار دیتے ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی ان کے نزدیک محال ہے ان کی رائے میں حکومت کا مقصد تقرب الی اللہ اور اقامت دین ہے اور جب لوگ تقرب الی اللہ کے خواہشمند ہوتے ہیں تو اقامت دین ان کا مطلوب مقصود بن جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م728ھ) السیاسۃ الشرعیہ میں فرماتے ہیں:

"ان ولاية من اعظم واجبات الدين ،بل لا قيام للدين الا بها۔[18]

حکومت اسلامیہ دین کا بلند ترین فرض اور واجب ہے بلکہ اس کے بغیر دین قائم ہی نہیں ہو سکتا۔

ابو الثنا اصفہانی بھی فریضہ اقامت دین کے قائلین میں سے ہیں۔ ان کے نزدیک خلافت جس کا قیام امت مسلمہ پر فرض ہے وہ دراصل اقامت دین کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ خلافت کے قیام کا حقیقی مقصد اقامت دین ہی کو قرار دیتے ہیں۔ یہ دراصل فریضہ اقامت دین ہی ہے جس کی تکمیل کی خاطر اس کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ علامہ ابو الثنا اصفہانی تحریر کرتے ہیں:

"الخلافة رياسته عامه تتمثل فى اقامة الدين و سياسة الدنيا به،شخص واحد من الاشخاص خلافة عن النبى" [19]

خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو اقامت دین اور دین کے ذریعے دنیا کا نظم ونسق چلانے کے لیے نبی کریم ﷺ کی نیابت میں کسی ایک شخص کو حاصل ہو۔

شاہ ولی اللہ جنھوں نے برصغیر پاک وہند میں نہ صرف اسلام کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اس میں حالات زمانہ کے زیر اثر شامل ہو جانے والی آلائشوں سے بھی اس کو پاک صاف کیا وہ بھی اقامت دین کو ایک فریضہ قرار دیتے ہیں۔

---

[18]: ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، شیخ الاسلام (م1328ء)، السیاسۃ الشرعیہ، دار المعرفۃ، بیروت، مصر، 1969ء، ص:161

Ibn ē Tēmiā, Tāqī ud Dīn Ahmād bīn Abdūl Hākēēm, Shēīkh ul Islām, Al-Sīyāsa tū Shārīyā, Dārul Mārfā, Bērūt, Lūbnān, Egypt, 1969, Pg: 161

[19]: اصفہانی، ابو الثناء، شمس الدین بن محمود بن عبد الرحمن (س۔ن)، مطالع الانظار، مطبعہ خبریہ، قاہرہ، 1323ء، ص:467،

Asfāhānī, Abū Al Sānā, Shāmsūdīn bīn Māhmood bīn Abdūl Rehmān, Mūtālyūl Anzār, Mātbā Khābrīa, Qāhīrā, 1323H, Pg:467

ان کے نزدیک دین اسلام اگرچہ متعدد احکامات و فرائض کا مجموعہ ہے مگر ان سب احکامات کا مقصود دراصل اقامت دین ہی ہے۔ ارکان اسلام پر عمل پیرا ہونا، حدود کا نفاذ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر دراصل اقامت دین ہی کے ذریعے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ دین کے تمام احکامات کو بحیثیت کلی اگر دیکھا جائے تو وہ جس ایک چیز پر آکر مرتکز ہو جاتے ہیں وہ فریضہ اقامت دین ہے۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"آنحضور ﷺ جب تمام خلق اللہ کے لیے مبعوث ہوئے تو آپ نے مخلوقات کے ساتھ بہت سے معاملات اور تصرفات کیے اور ہر معاملہ کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا اور ہر ایک معاملہ میں اہتمام عظیم کیا ان معاملات پر جب ہم غور کرتے ہیں اور جزیات سے کلیات کی طرف پھر کلیات سے ایک ایسی کلی کی طرف جو سب کو شامل ہو منتقل ہوتے ہیں تو ان سب کی جنس عالی دین کی اقامت ہے جو تمام کلیات کو متضمن ہے اور اسی کے تحت دوسری جنسیں ہیں۔"[20]

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک خلافت کا قیام جو کہ اسلام کے فرائض میں سے ایک ہے دراصل وہ بھی فریضہ اقامت دین ہی کی ایک کڑی ہے۔ آپخلافت کی تعریف ایک ایسی ریاست کے طور پر کرتے ہیں جس کا کام اقامت دین ہے۔ آپ کے خیال میں خلافت کے قیام کا مقصد ہی دراصل فریضہ اقامت دین کی انجام دہی ہے۔ آپ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

"خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو اقامت دین کی جانب عملاً متوجہ رہتی ہے۔"[21]

جدید مفکرین اور فریضہ اقامت دین:

برصغیر پاک وہند میں قیام پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد فریضہ اقامت دین کے تصور کو جس مفکر اسلام اور عالم دین نے سب سے زیادہ واضح کیا اور اس کی ادائیگی کو مقصود و مطلوب قرار دے کر مسلمانوں کی ایک نمایاں تعداد کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور انہیں اس پر امادہ کیا وہ مولانا سید ابوالاعلی مودودی ہیں۔ آپ کے نزدیک اقامت

---

[20]: شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد (م 1762ء)، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (مترجم: مولانا عبدالشکور)، قدیم کتب خانہ، کراچی، ت۔ن، ص13

Shāh Wālī Ullāh, Qūtāb ud Dīn Ahmād, Azālāt ūl Khāfā An Khīlāfātūl Khūlāfā, Tans: Moūlānā Abdūl Shākoor, Qādēm Kūtāb Khānā, Kārāchī, Pg: 13

[21]: ایضا، ص:581

Ibīd, Pg: 581

دین کی جدوجہد بحیثیت مسلمان ہم پر فرض ہے یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم دین کو اس کے تمام تر تقاضوں سمیت بحیثیت مجموعی قائم و نافذ کر دیں۔ اگر یہ اپنی مکمل صورت میں نافذ ہے تو پھر ٹھیک ہے اب اس کو قائم رکھنا ہی ہمارا فرض ہے لیکن اگر یہ بحیثیت مجموعی قائم نہیں تو پھر اس کو مکمل صورت میں قائم کرنا ہمارا اولین فریضہ ہے۔

اقامت دین یہ ہے کہ دین کو زندگی کے تمام گوشوں ، تمام شعبوں اور تمام سطحوں پر نافذ کر دیا جائے۔ اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اللہ کے دین کے تابع کر دیا جائے۔ کچھ بھی اس سے باہر نہ رہے۔ آپ کے نزدیک یہی اقامت دین ہے اور ایسا کرنا ہم پر فرض ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

مسلمان کے لیے اگر وہ بحیثیت مسلمان زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی کو خدا کی اطاعت میں دیں اور اپنے انفرادی اور اجتماعی تمام معاملات کا فیصلہ خدا کے قانون اور اس کی شریعت کے مطابق کریں۔ اسلام اس بات کو گوارا کرنے کو قطعاً تیار نہیں کہ آپ ایمان کا اعلان تو کریں اللہ رب العالمین پر اور زندگی کے معاملات طے کریں غیر الٰہی قانون کے مطابق۔[22]

مولانا مودودی کی نظر میں اسلامی معاشرے میں ہر سطح پر دین کا نفاذ ہی درحقیقت اس کی اقامت ہے۔ ان کے نزدیک تمام انبیاء کا مقصود بشمول خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے دین کا قیام تھا آپ کے مطابق خدا کے ان فرستادہ بندوں نے زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی تاکہ خدا کی سرزمین پر خدا کا دین قائم ہو جائے اور اسی کا قانون جاری و ساری ہو ان کی یہ جدوجہد پوری زندگی کی اصلاح کے لیے تھی۔[23] لہٰذا اب جب کہ نبوت کا اختتام ہو چکا تو اب یہ مسلمانوں پر ہے کہ وہ اس فریضہ کو ادا کریں۔

مولانا "اقامت دین" کی فرضیت کے ثبوت کے طور پر یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ اسلام خود اپنا ایک نظام زندگی رکھتا ہے جس میں عقائد ، اخلاق اور عبادات کے ساتھ ساتھ انفرادی طرز عمل اور اجتماعی زندگی کے معاملات سے متعلق احکام و قوانین بھی ہیں اور اگر اسلام کی دعوت اپنے اس پورے نظام کی طرف ہے اور اگر اس کا دعویٰ ہے کہ اس کا اپنا نظام ہی برحق ہے اور اسی میں انسان کی فلاح ہے اور اس کے سوا ہر دوسرا نظام باطل ہے تو ان

---

[22]: مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا(م1979ء)، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز(پرائیویٹ) لیمیٹڈ، لاہور، 2000ء ص:52،
Moūdūdī, Syēd Abū Alā, Moūlānā, Islāmī Rīyāsāt, Islāmīc Pūblīcātions Limited, Lahore, 200, Pg: 52

[23]: ایضا، ص:18
Ibīd, Pg: 18

باتوں کے ساتھ یہ قطعی ناگزیر ہے کہ اسلام زندگی میں اپنے نظام کو غالب اور دوسرے نظاموں کو مغلوب کرنے کا تقاضا بھی کرے۔

آپ کے نزدیک ایک نظام زندگی کو حق اور صدق ہونے کی حیثیت سے پیش کرنا اور پھر اس کی اقامت کو فرض قرار نہ دینا سراسر ایک مہمل بات ہے اور اس سے بھی مہمل بات یہ ہے کہ دوسرے نظاموں کو باطل بھی کہا جائے اور پھر ان کے غلبے کو برداشت بھی کیا جائے۔[24] اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

پس اسلام کا اپنے مخصوص نظام زندگی کی طرف دعوت دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسرے نظامات کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے نظام کی اقامت کا مطالبہ کرے اور اس مقصد کے لیے اپنے پیروؤں کو جدوجہد کی ان تمام صورتوں کے اختیار کرنے کا حکم دے جن سے یہ مقصد حاصل ہوا کرتا ہے اور مرعیان اتباع کے ایمان وعدم ایمان کا نشان امتیاز اسی سوال کو قرار دے کہ آیا وہ اس جدوجہد میں جان ومال کی بازی لگاتے ہیں یا باطل نظامات کے ماتحت جینے پر راضی ہو جاتے ہیں۔[25]

مولانا امین احسن اصلاحی جو برصغیر پاک و ہند کے نمایاں مفسرین اور مفکرین میں سے ہیں آپ بھی اقامت دین کے فرض ہونے کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک دین سے مراد صرف اس کی بنیادی تعلیمات نہیں ہیں بلکہ دین درحقیقت ایک ایسا نظام ہے جو اپنے اندر تمام جملہ امور کو سموئے ہوئے ہے اور دین کو اسی مجموعی شکل میں قائم ونافذ کرنا ہی دراصل اقامت دین ہے۔

آپ دین سے مراد ایک پورا نظام زندگی لیتے ہیں اور اقامت دین سے مراد اسی نظام کی اقامت ہی لیتے ہیں۔ اقامت دین کا مطلب صرف انفرادی طور پر دین کی پیروی نہیں ہے بلکہ اس میں دین کی دعوت واشاعت اس کی حمایت وحفاظت اور اس کے نفاذ کی کوششیں بھی شامل ہیں۔ دین صرف چند بنیادی تعلیمات کا نام نہیں بلکہ ایک نظام ہے اس حقیقت کا اعتراف آپ اپنی کتاب دعوت دین اور اس کے طریقہ کار میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کتاب میں میں نے انبیاءؑ کا طریقہ تبلیغ تفصیل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس زمانے میں جس طرح دین کا مفہوم لوگوں کے ذہن میں ادھورا اور ناقص اس طرح تبلیغ دین کا مفہوم بھی بہت ہی محدود اور غلط ہے میں نے

---

[24]: مودودی، سید ابوالاعلی، مولانا (م1979ء)، اسلامی ریاست، ص:60

Moūdūdī, Syēd Abū Alā, Moūlānā, Islāmī Rīyāsāt, Pg: 60

[25]: ایضا، ص:66

Ibīd, Pg: 66

اس کتاب میں دین کو بحیثیت ایک نظام زندگی جیسا کہ فی الواقعہ ہے سامنے رکھا ہے اور اسی حیثیت سے اس جدوجہد کے تمام تقاضوں اور اس کے تمام مراحل کی تفصیل بیان کی ہے جو اس نظام کو برپا کرنے کے لیے اختیار کرنی پڑتی ہے۔[26]

مولانا کے نزدیک اقامت دین ایک ایسا فریضہ ہے جو تمام امتوں پر فرض رہا ہے اور تمام انبیاء کرامؑ نے اس کے لیے مقدور بھر کوشش و جدوجہد کی ہے۔ لہٰذا یوں کرنا امت مسلمہ پر بھی فرض ہے اور اس مقصد کے لیے لازم ہے کہ امت مسلمہ انہی انبیاء کرامؑ کے اسوہ حسنہ سے رہنمائی حاصل کرے۔ ان سے ہٹ کر کی جانے والی کوششیں بے سود ثابت ہوں گی۔[27]

فریضہ اقامت دین جو کہ انبیاء کرامؑ کے بعد بقول مولانا امین احسن اصلاحی تمام امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے اس لیے آپ کے نزدیک دعوت دین اور فریضہ اقامت دین کی عدم ادائیگی کی صورت میں ہر مسلمان گناہ گار ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

اب یہ فریضہ شہادت علی الناس اس امت کے تمام افراد پر منتقل ہو گیا ہے اور جب تک وہ اس کو انجام دینے کے لیے اس صالح اسلامی نظام کو قائم نہ کر دیں جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس وقت تک اس فریضہ کے ادا نہ ہونے کا گناہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور قیامت کے دن اس کی پرسش ہر شخص سے ہو گی۔[28]

مولانا کے نزدیک تبلیغ و دعوت کا مطمع نظر نظام دین کا احیاء ہے اور اس کے بغیر دینا پر اتمام حجت ممکن نہیں۔ بلکہ بحیثیت مسلمان ہمارا اولین فرض درحقیقت اقامت دین ہی ہے۔ فرماتے ہیں:

تبلیغ کے لیے اصلی محرک درحقیقت اس فرض عظیم کا احساس ہے جو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا اور اس میں جو چیز بطور مطمع نظر اس وقت پیش نظر رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ نظام دعوت خیر پھر سے وجود میں آ جائے

---

[26]: اصلاحی، امین احسن، مولانا(م1997ء)، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2008ء، ص:14
Islāhī, Amīn Ahsān, Moūlānā, DAwāt ē Dēēn Aūr Us kā Tārēēqā Kāār, Farāān Foundation, Lahore, 2008, Pg: 14

[27]: اصلاحی، امین احسن، مولانا(م1997ء)، مقالات اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2000ء، ج1، ص:274-275،
Islāhī, Amīn Ahsān, Moūlānā, Māqālāāt ē Islāhī, Farāān Foundation, Lahore, 2000, Vol:1, Pg: 274-275

[28]: اصلاحی، امین احسن، مولانا(م1997ء)، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، ص:45
Islāhī, Amīn Ahsān, Moūlānā, DAwāt ē Dēēn Aūr Us kā Tārēēqā Kāār, Pg: 45

جو خلق کو اللہ کے دین کی راہ بتا سکے اور دنیا پر اتمام حجت کر سکے۔ جب تک یہ چیز دنیا میں موجود نہیں ہے ہر مسلمان کا سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ اس کو وجود میں لانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے، کرے۔[29]

مولانا ابو الحسن علی ندوی جو بر صغیر کے علماء کرام میں سے ایک نامور عالم و مفکر دین ہیں وہ بھی اقامت دین کی جدوجہد کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کی فرضیت کو بھی مانتے ہیں۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی کے نزدیک اقامت دین کی اصطلاح وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ وہ اس کو محض حکومت الہیہ کے قیام کے مترادف نہیں ٹھہراتے بلکہ حکومت واقتدار کے حصول کے ساتھ ساتھ پورے دین کی تعلیمات کا نفاذ بھی مراد لیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

یہاں یہ حقیقت واضح کر دینی بھی ضروری ہے کہ لفظ "اقامت دین" کو محض حکومت الٰہیہ کے قیام کے کوشش کا مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ اس سے زیادہ جامع اور وسیع مفہوم رکھتا ہے جو عام طور پر جماعت کے لٹریچر میں استعمال ہوتا ہے۔۔۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت 13 کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ اس سے پورا دین اور اس کی تعلیمات (عقائد، عبادات و معاملات) مراد ہیں۔ صرف خلافت و حکومت اور حصول قوت واقتدار نہیں۔[30]

مولانا فریضہ اقامت دین اور توحید ربانی کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور اسی (اقامت دین) کو انبیاء کرامؑ کی کوششوں اور جدوجہد کا مرکز و محور قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک علماء حق جو حضرات انبیاء علیہ السلام کے وارث اور جانشین ہیں۔ ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہو گی جب ان کی زندگی کا مقصد اور مرکز وہی ہو گا جو انبیاء کرام علیہ السلام کا تھا۔ وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی و عمل مولانا کے نزدیک اقامت دین تھا۔

اسی طرح مولانا دین کے نفاذ (اقامت دین) کے لیے اپنی زندگی وقف کر دینے کو مسلمان اہل علم کی پہلی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور اس کو وہ نعمت نبوت کی قدر دانی شمار کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک نبوت (نبی) کا مقصد دین کا نفاذ (اقامت دین) تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی حکومت و قانون کو انسانوں کے جسموں اور ان کی متعلقہ زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ آپ اس فریضہ کی ادائیگی کو اس نعمت کی قدر دانی اور حمایت قرار دیتے ہیں۔ آپ اپنی کتاب " منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" میں " جامعہ کی پہلی ذمہ داری" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

---

[29]: ایضاً، ص:47

Ibīd, Pg: 47

[30]: ندوی، ابو الحسن علی، مولانا (م 1999ء)، عصر حاضر میں دین کی جدید تفہیم و تعبیر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ت۔ن، ص 112

Nādvī, Abū Al-Hāsān Alī, Moūlānā, Asrē Hāzīr Māin Dēēn kī Jādēēd Tāfhēm wa Tābīr, Mājlīs ē Nāshrīyāy ē Islām, Karachi, Pg: 112

عالم اسلام میں کسی بھی درسگاہ کی خواہ وہ مدینۃ الرسول ہی میں کیوں نہ قائم ہو۔ یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ نعمت نبوت کے سمجھنے کی طرف توجہ کرے جس سے بڑھ کر اللہ تعالی نے کوئی نعمت نہیں اتاری اور اس نعمت کی قدر اور شکر کے ساتھ اس کے سرگرم حامیوں اور داعیوں میں ہو اور وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت اور ارتداد اور انقلاب کے پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں وہ ندائے محمدی اور چشمہ مصطفوی کے سایے میں آجائے اور زندگی کے ہر محاذ پر خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو یا عملی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی و سیاسی اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔[31]

مولانا وحید الدین خان جو عصر حاضر کے ایک مشہور مفکر ہیں جن کا تعلق بھارت سے ہے آپ بھی اقامت دین کی جدوجہد کے فرض ہونے کے قائل ہیں لیکن ان کے ہاں فریضہ اقامت دین کا تصور اقامت دین کے روایتی موقف سے جدا ہے۔ جہاں تک فریضہ اقامت دین کے روایتی موقف کا تعلق ہے جس کے علمبردار شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا ابو الحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور ڈاکٹر اسرار احمد ہیں اس میں اقامت دین سے مراد دین کو قائم کرنا اور قائم رکھنا ہے۔

یعنی انسان نہ صرف انفرادی لحاظ سے دینی تعلیمات کی پیروی کرے اپنی ذات پر ان کا نفاذ کرے بلکہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی اسی نظام (دین) کے مطابق ڈھالنے کے لیے سرگرم و متحرک رہے اور اس کی انتہائی شکل اسلامی نظام کا قیام ہو۔ جس میں خلافت کا قیام بھی شامل ہے۔ کیونکہ اسلام کے اجتماعی احکامات کا نفاذ بغیر حکومت کے ممکن نہیں۔ لہذا دین کے مکمل قیام کے لیے اسلامی خلافت یا حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔

مگر مولانا وحید الدین خان کے نزدیک فریضہ اقامت دین کا مفہوم (جس کو سورۃ الشوریٰ کی 13 آیت سے اخذ کیا جاتا ہے) مختلف ہے۔ وہ یہاں فریضہ اقامت دین سے مراد اسلام کے بنیادی احکامات کا قیام لیتے ہیں اور انسان کی ذات پر انہی کا نفاذ فرض قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقامت دین سے مراد انسان کو اپنی زندگی کو اسلام کی بنیادی تعلیمات، جن کا تقاضا بلا لحاظ فرق شریعت تمام انسانوں سے مطلوب ہے، کے مطابق ڈھال لینا ہے نہ کہ اپنی جدوجہد کا مرکز دین کی تمام اساسی و فروعی تعلیمات کا اپنی ذات اور دیگر انسانوں پر نفاذ (قیام) قرار دینا۔ وہ لکھتے ہیں:

---

[31]:ندوی، ابوالحسن علی، مولانا(م 1999ء)، مجلس نبوت او ر اس کے عالی مقام حاملین، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنو، 1978ء ص:14

Nādvī, Abū Al-Hāsān Alī, Moūlānā, Mājlīs ē Nābūwāt Aur Us ky Alī Mūqām Hāmīlēēn, Mājlīs ē Tēhqīqāt wā Nāshrīyāy ē Islām, Lakhno, 1978, Pg: 14

اقامت دین کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کا حق ادا کرنا اس کو ٹھیک ٹھیک انجام دینا خارجی حکم کے نفاذ کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے مگر اس کا اصل مفہوم متعلقہ فعل کی انجام دہی ہے نہ کہ اس کا نفاذ۔۔۔ اقامت دین سے مراد سارے شرعی نظام کو لوگوں کے اوپر قائم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دین کے اس بنیادی حصے کو پوری طرح اختیار کرنا ہے جو ہر شخص سے ہر حال میں مطلوب ہے اور جس کو اپنی زندگی میں پوری طرح شامل کر لینے کے بعد کوئی شخص خدا کی نظر میں مسلمان بنتا ہے۔[32]

مولانا وحید الدین خان کے نزدیک فریضہ اقامت دین دراصل ہم سے انفرادی حیثیت میں مطلوب ہے اور اس کا مخاطب فرد ہے نہ کہ پورا نظام اجتماعی۔[33] لہذا سورۃ الشوری کی آیت نمبر 13 میں ایک ایسے دین کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام کے سوا دوسرے پیغمبروں پر بھی یکساں طور پر اترا تھا۔ کیونکہ جس وقت مکہ مکرمہ میں اس آیت کا نزول ہوا اس وقت تک ابھی تمام احکامات کا نزول نہیں ہوا تھا لہذا متفرق ہوئے بغیر اسی واحد اور مشترک دین پر عمل کرنا اور اس پر پوری طرح قائم ہو جانا ہی دراصل اقامت دین ہے۔[34] آپ لکھتے ہیں:

"اقیموا الدین" والی آیت قرآن مجید کی سورۃ الشوریٰ میں آئی ہے۔ یہ سورہ ثابت شدہ طور پر ایک مکی سورت ہے۔ یعنی وہ اس زمانہ میں اتری جب کہ قرآن کے بیشتر حصے ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے اور قرآن کا وہ حصہ جو شرائع اور احکام سے تعلق رکھتا ہے وہ ابھی اہل ایمان کو دیا نہیں گیا تھا۔۔۔ آیت کا یہ زمانہ نزول حتمی طور پر بتاتا ہے کہ اقیموا الدین کی آیت میں الدین سے مراد مکمل دین نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس وقت وہ سرے سے اترا ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ جو احکام ابھی نازل ہی نہ ہوئے ہوں ان کو قائم کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے۔[35]

جہاں تک مولانا وحید الدین خان کے نزدیک اقیموا الدین میں دین کے مفہوم کا تعلق ہے تو آپ کے نزدیک تمام علماء تفسیر اس آیت میں الدین سے مراد اصل دین یا دین کی بنیادی تعلیمات لیتے ہیں نہ کہ کل دین۔ ان

---

[32]: وحید الدین خان، مولانا، تعبیر کی غلطی، دار التذکیر، لاہور، 2008ء، ص:104،

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Tābēēr kī Ghāltī, Dār ul Tāzkīr, Lahore, 2008, Pg: 104

[33]: وحید الدین خان، مولانا، دین وشریعت، دار لتذکیر، لاہور، 2005ء، ص:8

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Dēēn wā Shārīyāt, Dār ul Tāzkīr, Lahore, 2005, pg: 5

[34]: وحید الدین خان، مولانا، دین وشریعت، ص:7

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Dēēn wā Shārīyāt, Pg: 7

[35]: ایضا، ص:10

Ibīd, Pg: 10

کے نزدیک یہاں اقامت دین سے مراد سارے شرعی نظام کو لوگوں کے اوپر قائم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دین کے اس بنیادی حصے کو پوری طرح اختیار کرنا ہے جو ہر شخص سے ہر حال میں مطلوب ہے اور جس کو اپنی زندگی میں پوری طرح شامل کر لینے کے بعد کوئی شخص خدا کی نظر میں مسلمان بنتا ہے۔[36] لہٰذا سورۃ الشوریٰ جس کی آیت نمبر 13 میں "اقامت دین" کی اصطلاح موجود ہے اس آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے کے بعد مولانا "اقامت دین" کا مفہوم کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

معلوم ہوا کہ سیاق اور تمام مفسرین کی رائے کے مطابق "اقیموا الدین" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مکمل دین بشمول شرائع کو زمین پر قائم رکھو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد مسلم سے جو کچھ اس کی انفرادی حیثیت میں مطلوب ہے اس پر وہ مکمل طور پر قائم ہو جائے۔ قرآن کی اس آیت کا خطاب دراصل فرد سے ہے نہ کہ پورے نظام اجتماع سے۔[37]

آپ کے خیال میں اس آیت میں ایک ایسے دین کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام کے سوا دوسرے پیغمبروں پر بھی یکساں طور پر اترا تھا۔ لہٰذا آیت یہ حکم دیتی ہے کہ تم متفرق ہوئے بغیر اسی واحد اور مشترک دین پر عمل کرو اور اس پر پوری طرح قائم ہو جاؤ۔ آپ کے مطابق اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خود پیغمبر ﷺ پر اترے ہوئے تمام احکام بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آیت کے الفاظ کے مطابق یہاں اقیموا الدین میں دین کا صرف وہ حصہ مراد ہو گا جو شریعت کے علاوہ ہے۔ کیونکہ شریعت کے متعلق واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ مختلف پیغمبروں کی شریعتیں الگ الگ تھیں۔[38] ایسی حالت میں تمام پیغمبروں کی مشترک پیروی صرف ان امور دین میں ہو سکتی ہے جو شریعت اور منہاج کے علاوہ ہیں اور جن میں ایک پیغمبر اور دوسرے پیغمبر کے مابین میں کوئی اختلاف نہیں۔[39] اسی طرح چونکہ آپ کے مطابق "اقیموا الدین" والی آیت قرآن مجید کی سورہ شوری میں آئی

---

[36]: ایضا، ص104

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Tābēēr kī Ghāltī, Pg: 104

[37]: وحید الدین خان، مولانا، دین وشریعت، ص8

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Dēēn wā Shārīyāt, Pg: 8

[38]: المائدہ 5:47

Al-Māīdā, 5: 47

[39]: وحید الدین خان، مولانا، دین وشریعت، ص7

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Dēēn wā Shārīyāt, Pg: 6

ہے۔ یہ سورہ ثابت شدہ طور پر ایک مکی سورت ہے۔ یعنی وہ اس زمانہ میں اتری جب کہ قرآن کے بیشتر حصے ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے اور قرآن کا وہ حصہ جو شرائع اور احکام سے تعلق رکھتا ہے وہ ابھی اہل ایمان کو دیا نہیں گیا تھا۔ لہذا آیت کا یہ زمانہ نزول حتمی طور پر بتاتا ہے کہ اقیموا الدین کی آیت میں الدین سے مراد مکمل دین نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس وقت وہ سرے سے اترا ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ جو احکام ابھی نازل ہی نہ ہوئے ہوں ان کو قائم کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے۔[40] لہذا یہاں دین پر قائم ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ ان مشترکہ امور پر قائم ہوا جائے جو تمام پیغمبروں پر یکساں نازل ہوئے۔ ہم یہاں دین کی تمام تعلیمات مراد نہیں لے سکتے نہ ہی اسے بطور نظام مراد لے سکتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

اسی طرح سورہ شوری کی مذکورہ آیت میں دوسرے پیغمبروں کا بھی ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کو بھی اسی الدین کے قائم کرنے کا حکم ملا تھا۔ مگر جیسا کہ معلوم ہے حضرت موسیٰؑ کے سوا دوسرے پیغمبروں کو سرے سے سیاسی اور قانونی احکامات دیئے ہی نہیں گئے تھے۔ حتی کہ زندگی کے آخری زمانہ میں بھی نہیں۔ ایسی حالت میں ان سابق پیغمبروں کو یہ حکم دینا کہ تم لوگ "مکمل دین" کو زمین پر قائم اور نافذ کرو اور بھی زیادہ ناقابل فہم ہے۔[41]

مولانا وحید الدین خان کے نزدیک دین حقیقتاً آدمی کی اپنی زندگی کا نقشہ ہے۔ آدمی کا اپنا وجود جس کے ساتھ وہ صبح و شام جی رہا ہے۔ جس کو لے کر وہ پیدا ہوتا ہے اور جس کو لے کر وہ مر جاتا ہے۔ اس وجود کو دین دار بنانا اور اس کو ہمہ تن اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لینا ہی دراصل اقامت دین ہے۔[42] اسی بات کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

اقیموا الدین سے مراد دین کو زمین پر قائم کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو خود اپنے آپ پر قائم کرنا ہے۔ اس سے مراد احتساب خویش ہے نہ کہ احتساب غیر۔ اس سے مراد خود اپنے آپ کو خدا کے حکم کے تابع کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو خدا کے تابع بنانے کے نام پر ان سے جنگ چھیڑنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی آنکھیں اللہ کی یاد سے

---

[40]: وحید الدین خان، مولانا، دین و شریعت، ص10

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Dēēn wā Shārīyāt, Pg: 10

[41]: ایضاً، ص10

Ibīd, Pg: 10

[42]: وحید الدین خان، مولانا، دین و شریعت، ص30

Ibīd, Pg: 30

آنسو بہانے لگیں نہ کہ وہ دوسروں کے اوپر تلوار چلا کر ان کا خون بہائیں۔اقیموا الدین کا مطلب اپنی دنیا کو معرفت الہی سے آباد کرنا ہے نہ کہ خدائی حکومت قائم کرنے کے نام پر دنیا کو تشدد اور نفرت کا جنگل بنانا۔اقیموا الدین کا مطلب ہے اپنے اندر ربانی شخصیت کی تعمیر کرنا نہ کہ آدمی اطاعت رب کا نظام قائم کرنے کی خاطر ساری دنیا کو نفرت اور فساد سے بھر دے۔[43]

آپ کے نزدیک چونکہ اقامت دین سے مراد صرف انفرادی زندگی کی حد تک دین کی اقامت ہے تو اس کا مظہر کیا ہوگا یہ کیسے ممکن ہوگا؟اس کے بارے میں آپ کا ماننا ہے کہ یہ تب ہو پائے گا جب ہماری پوری ہستی خداوند عالم کے آگے جھک جائے۔ہم اسی کے عبادت گزار بن جائیں ۔ہمارا وجود اس کے ذکر و تسبیح میں سرشار ہو جائے۔خدائے واحد ہی ہمارے خوف و محبت کے تمام جذبات کا مرکز بن جائے۔اللہ کے ساتھ آدمی کا یہ تعلق اتنا زیادہ گہرا ہو جائے کہ اس کے اخلاق و عادات اسی میں ڈھلنے لگیں۔اس کی بولی میں خدا کا نور شامل ہو۔اس کا عملی سلوک عبدیت کے رنگ میں رنگ جائے۔لوگوں کے درمیان وہ ایک ایسے انسان کے روپ میں رہنے لگے جس میں خدا ترسی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس سمایا ہوا ہو۔اس کا کردار اعلیٰ اصولوں سے متعین ہوتا ہو نہ کہ محض مصلحت اور مفاد کے تحت۔وہ لوگوں کے ساتھ عدل کا برتاؤ کرے۔اس کا دل کینہ اور حسد اور انتقام سے پوری طرح خالی ہو۔وہ ہر حال میں سچ بولے۔خواہ وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف۔وہ لوگوں کے درمیان ایک ایسے انسان کی طرح رہے جو جہنم سے ڈرتا ہو اور جنت میں داخلے کا حریص ہو۔[44]

آپ کے نزدیک اقامت دین کو اساسات دین کی اقامت کے معنی میں لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موٹی موٹی تعلیمات کو لے لیا جائے اور باقی سب کو چھوڑ دیا جائے"اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس متفق علیہ دین کو پکڑو جو اصلا اور دائما مطلوب ہے۔فروعی اور اختلافی چیزوں کو مدار اقامت نہ بناؤ۔اس سے مراد "موٹی موٹی تعلیمات نہیں ہیں بلکہ وہ اصلی اور حقیقی تعلیمات ہیں جن پر آخرت کی نجات کا انحصار ہے۔مزید یہ کہ انہی تعلیمات میں اللہ کا

---

[43]: ایضا، ص11-12

Ibīd, Pg: 11-12

[44]: وحید الدین خان، مولانا، دین و شریعت، ص12

Wāhīd ud Dīn Khān, Moūlānā, Dēēn wā Shārīyāt, Pg:12

پورا دین آجاتا ہے جو شخص ان چیزوں پر قائم ہو جائے وہ گویا پورے دین پر قائم ہو گیا۔ اللہ کے نزدیک اس نے اپنے دین کو کامل کر لیا۔[45]

مندرجہ بالا تمام مسلم مفکرین اقامت دین کی جدوجہد کے فرض ہونے کے قائل ہیں لیکن جاوید احمد غامدی جو عصر حاضر کے ایک ابھرتے ہوئے مفکر ہیں وہ اقامت دین کی جدوجہد کے فرض ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس طرح ہمیں جاوید احمد غامدی صاحب کی فکر میں فریضہ اقامت دین کے روایتی موقف سے مکمل انحراف نظر آتا ہے جو مولانا وحید الدین خان کے طرز فکر سے بھی خاصا مختلف ہے۔ مولانا وحید الدین خان کا روایتی طرز فکر سے اختلاف تو بنیادی طور پر یہ ہے کہ ان کے ہاں دین کا وہ مفہوم نہیں ہے جو دیگر علماء کرام اس اصطلاح کے لیے مراد لیتے ہیں۔ مولانا وحید الدین خان یہاں دین سے مراد کل دین بشمول شریعت نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک یہاں دین کی صرف بنیادی تعلیمات کا قیام ہی مراد ہے۔ مگر جاوید غامدی صاحب اس اصطلاح کے لحاظ سے "دین" کے مفہوم سے تو اتفاق کرتے نظر آتے ہیں لیکن وہ "اقامت دین" کو ایک فریضہ نہیں بلکہ عمومی ہدایت قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں پر اس کی فرضیت کے قائل نہیں بلکہ وہ اسے صرف ایک اصولی ہدایت مانتے ہیں۔ اپنی کتاب البرھان میں آپ لکھتے ہیں:

دین کے فرائض میں سے ایک فرض اور اس کے احکام میں سے ایک حکم نہیں ہے کہ اسے "فریضہ اقامت دین" قرار دے کر فرائض دینی میں ایک فرض کا اضافہ کر دیا جائے۔ بلکہ پورے دین کے متعلق ایک اصولی ہدایت ہے۔ ہر وہ چیز جو قرآن و سنت کی رو سے "الدین" میں شامل ہے یہ زیر بحث آیت میں ہمیں اس کو بالکل درست اور اپنی زندگی میں بر قرار رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔[46]

نتائج وحاصلات:

المختصر "اقامت دین" جسے مفسرین ومفکرین اسلام ایک دینی فریضہ قرار دیتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ دین اسلام کو اپنی زندگیوں میں اس طرح قائم دائم رکھا جائے کہ اس میں کوئی کجی، انحراف، تفرق، تبدیلی یا کمی بیشی

---

[45]: ایضا، 29

Ibīd, Pg: 29

[46]: غامدی، جاوید احمد، البرھان، المورد، لاہور، 2009ء، ص 180

Ghāmādī, Jāvēd Ahmēd, Al-Būrhān, Al- Moūrīd, Lahore, 2009, Pg; 180

واقع نہ ہونے پائے اس کے ساتھ ساتھ یہ بحیثیت مجموعی نہ صرف انفرادی سطح پر بلکہ اجتماعی، معاشرتی اور ریاستی سطح پر بھی نافذ ہو جائے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ کوئی گوشہ اس کی دسترس سے باہر نہ رہے۔

مسلمان دین اسلام کی تعلیمات کے رنگ میں رنگ جائیں اور معاشرے کو بھی اسی کے رنگ میں ڈھلنے دیں۔

زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جو اس رنگ یا اس تصور سے نا آشنا ہو یا اس کی اثر پذیری سے آزاد ہو اور آپ سر سے پیر تک سراپا اظہار دین بن جائیں۔

جس طرح کسی عمارت کا قیام اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب اس کی بنیادوں، دیواروں اور چھتوں سمیت ہر چیز نقص سے مبرا ہو اگر ان میں سے کسی ایک میں کوئی کمزوری یا عیب ہو تو وہ عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ بالکل اسی طرح دین کا قیام بھی ہے کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کی تمام جزئیات اپنی اپنی جگہ پر قائم ہوں، درست ہوں۔ اس کی تعلیمات کو بغیر کسی تفریق کے لاگو کیا جائے۔ اور دین اسلام جو کہ دین برحق ہے اپنی ذات میں اس بات کا متقاضی و طلبگار ہے کہ اسے قائم کیا جائے تاکہ دنیا اس کے فائدوں سے بہرہ مند ہو سکے۔ یہ دین جو انسانی فلاح و کامیابی کا ضامن ہے اس سے انسانی فلاح کو یقینی بنایا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں امت مسلمہ کے اکابر مفسرین و علماء حق اس دین کے قیام و نفاذ کے قائل رہے ہیں اور آج بھی ہمیں اس پکار کی گونج سنائی دیتی ہے۔